www.KitaboSunnat.com

کتاب و حکمت

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، ریاض

تفسیر تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن

ہند کے معروف صاحب علم، صوبہ بہار کے جامعہ ابن تیمیہ کے سرپرست اعلیٰ محترم جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی تیسیر الرحمن لبیان القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھ رہے ہیں جو تکمیل کے مراحل میں ہے۔ بنیادی طور پر یہ تفسیر سلفی اسلوب و منہج کی حامل ہے جس میں قرآن کریم کو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ ائمہ سلف کی تشریحات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ممتاز مفسر کی مخصوص صلاحیت، مہارت اور ذوق و میلان کے مطابق اس تفسیر کے بعض امتیازات ہیں جن کا جائزہ اگرچہ ایک مستقل موضوع ہے تاہم اس کے بارے میں چند اہم تبصرے محدث کی آئندہ اشاعت میں ہدیۂ قارئین ہوں گے۔ ان شاء اللہ...... فی الحال اہل علم کے مطالعہ کے لئے محدث کے ان اوراق میں ڈاکٹر لقمان سلفی کی مرتب کردہ اس تفسیر سے سورۂ فاتحہ کی مکمل تفسیر تعارف کے طور پر پیش کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی سعودی عرب کی معروف یونیورسٹی جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کی المعهد العالي للقضاء (جوڈیشل انسٹیٹیوٹ) سے پی ایچ ڈی ہیں۔ عربی، اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی کافی دسترس رکھتے ہیں۔ ایک عرصہ مفتیٔ اعظم سعودی عرب شیخ ابن باز کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ اس اعتبار سے شیخ ابن باز کی تربیت اور علمی رہنمائی سے بھی انہیں حظ وافر نصیب ہوا ہے۔ آپ کی زیر نظر تفسیر حسن ترتیب اور واضح اسلوب بیان سے مزین ہے جس میں متعلقہ مسائل کو اختصار کے ساتھ نکات وار جمع کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔ بعض اختلافی مسائل کی شافی وضاحتیں بھی اپنے مقام پر موجود ہیں۔ (محدث)

سورۂ فاتحہ

(۱) یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟ مکی ان سورتوں کو کہتے ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئیں، اور مدنی ان کو جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک سورۂ فاتحہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سورۂ فاتحہ دوبار نازل ہوئی۔ پہلی بار مکہ مکرمہ میں اور دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔ لیکن راجح یہی ہے کہ یہ صرف ایک بار، ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

(۲) اس کے کئی نام ہیں: قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس سورت کے کئی نام آئے ہیں امام قرطبیؒ نے اس کے بارہ نام بتائے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱) الصّلاة: جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے: "قسمتُ الصّلاة بيني وبين عبدي نصفين" یعنی میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردیا ہے۔ اس حدیث میں صلاۃ سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ اس سورت کا ابتدائی نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی ربوبیت،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الوہیت اور ملوکیت کا اعتراف ہے، اور دوسر النصف حصہ اللہ سے دعا و مناجات ہے۔

۲) الحمد : اس لئے کہ اس سورت میں حمد کا ذکر ہے۔

۳) فاتحة الكتاب: اس لئے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت، مصحف کی کتابت اور نماز کی ابتدا اِسی سورت سے ہوتی ہے۔

۴) اُمُّ الکتاب: امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر کے شروع میں لکھا ہے کہ اس کا نام اُمُّ الکتاب اس لئے ہے کہ مصحف کی کتابت اور نماز میں قراءت کی ابتدا اِسی سے ہوتی ہے۔ ایک توجیہ اس کی یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سورت میں قرآنِ کریم کے تمام معانی و مضامین کا ذکر اجمالی طور پر آگیا ہے۔

۵) اُمّ القرآن: امام ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورۂ الحمد للہ اُمُّ القرآن ہے، اُمُّ الکتاب ہے اور سبع مثاني ہے۔

۶) السبع المثاني: اس لئے کہ یہ سورت سات آیتوں پر مشتمل ہے، اور نماز کی ہر رکعت میں ان آیتوں کا اِعادہ ہوتا ہے۔

۷) القرآن العظیم: اس لئے کہ اس میں تمام قرآنی علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔

۸) الشفاء: امام دارمی نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: في فاتحة الكتاب شفاء من كل داء یعنی سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے شفا رکھی ہے۔

۹) الرُّقية: یعنی 'دم' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس صحابی سے جس نے ایک سردارِ قبیلہ پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور اُس کے جسم سے سانپ کا زہر اُتر گیا تھا، کہا کہ تجھے کس نے بتایا کہ یہ 'دم' ہے؟ تو صحابی نے کہا: یارسول اللہ! میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی۔

۱۰) الأساس: امام شعبیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ قرآن کی اساس سورۂ فاتحہ ہے، جب کبھی بیمار پڑو تو اس سورت کے ذریعہ شفا حاصل کرو۔

۱۱) الوافية: سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یعنی دیگر سورتوں کی طرح اسے نصف نصف دو رکعتوں میں پڑھنا جائز نہیں، اس لئے اس کا نام الوافية ہے۔

۱۲) الکافية: یحییٰ بن ابی کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ سورت دوسری سورتوں کے بدلے میں کافی ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسری سورتیں اس کے بدلہ میں کافی نہیں ہوتی ہیں، اس لئے اس کا نام "الکافية" ہے۔

(۳) <u>سورۃ الفاتحہ کی فضیلت:</u> یہ سورت قرآنِ کریم کی عظیم ترین سورت ہے۔ اس کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ کی کئی صحیح حدیثیں آئی ہیں۔ یہاں کچھ حدیثوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

۱) ترمذی اور نسائی نے اُبي بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل میں اُمّ القرآن یعنی سورۂ فاتحہ جیسی سورت نہیں اُتاری۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسی کو سبع مثانی بھی کہتے ہیں"

۲) مسند احمد میں ہے کہ ابو سعید بن المعلیٰؓ کو رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآنِ کریم کی عظیم ترین سورت سکھاؤں گا۔ پھر آپ نے اُنہیں سورۂ فاتحہ کی تعلیم دی۔ اِس حدیث کو امام بخاری، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۳) امام مالک نے موطأ میں روایت کیا ہے کہ ابو سعید مولیٰ عامر بن کریز نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُبی بن کعبؓ سے کہا: میں تجھے مسجد سے نکلنے سے قبل ایک ایسی سورت بتاؤں گا جیسی تورات وانجیل میں نہیں اُتاری گئی، اور نہ ہی قرآن میں ویسی کوئی دوسری سورت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ جب نماز کی ابتدا کرتے ہو تو کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے الحمد للہ ربّ العالمین پڑھی، آپ نے فرمایا: یہی وہ سورت ہے۔

۴) امام احمد نے عبد اللہ بن جابرؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کی سب سے بہترین سورت سورۂ فاتحہ ہے۔

۵) اس سورۂ کریمہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اِسے پڑھ کر پھونکنے سے سانپ کے کاٹے کا زہر اللہ کے حکم سے اُتر جاتا ہے۔

> "امام بخاری نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک بار سفر میں تھے۔ ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو ایک لڑکی آئی اور بتایا کہ قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور ہمارے لوگ باہر گئے ہوئے ہیں، کیا آپ لوگوں میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ تو ہم میں سے ایک آدمی اُٹھ کر گیا، جس کے بارے میں ہم لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ دَم کرنا جانتا ہے۔ اُس نے دم کیا تو سانپ کا زہر اُتر گیا۔ اس نے اسے تیس بکریاں دیں اور ہم سب کو دودھ بھی پلایا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم 'دَم' کرنا جانتے تھے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ بکریوں کے معاملہ کو ایسے ہی رہنے دو یہاں تک کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں۔ جب ہم مدینہ آئے اور آپ (ﷺ) سے پوچھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ 'دَم' ہے۔ تم لوگ ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرتے وقت میرا بھی ایک حصہ رکھنا۔ اس حدیث کو امام مسلم اور امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔ ...... صحیح مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ دم کرنے والے ابو سعید خدریؓ ہی تھے۔"

۶) امام مسلم اور نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اور جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس موجود تھے کہ اوپر سے ایک آواز سنائی دی، جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور کہا کہ آسمان کا یہ دروازہ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا اس سے ایک فرشتہ اُترا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو دو نور دیئے جانے کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوشخبری دیتا ہوں۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے: سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ان کا ایک حرف بھی آپ پڑھیں گے تو اس کا بدل آپ کو دیا جائے گا۔

۷) سورۂ فاتحہ کی فضیلت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات کو تین بار دہرایا۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے 'نماز' (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردیا ہے، اور میں اپنے بندے کو وہ دیتا ہوں جو وہ مانگتا ہے (مسلم، نسائی، موطا، مسند احمد)

(۴) نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا امام اور مقتدی سب پر واجب ہے: نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔

جن حضرات نے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں سمجھا ہے، اُن کی مشہور دلیلیں یہ ہیں:

الف) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا...... الآية﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی اختیار کرو اور دھیان سے سنو۔ (الاعراف: ۲۰۴) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور نماز میں قراءتِ فاتحہ کے وجوب سے متعلق حدیثیں خاص اور بہت ہی واضح اور صریح ہیں اور اس آیت کی تخصیص کرتی ہیں۔

ب) ان کی دوسری دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے: مالي أنازع القرآن یعنی کیا بات ہے کہ نماز میں لوگ میرے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا: لاتفعلوا إلاّ بأمّ القرآن فإنّه لاصلاۃ لمن لم یقرأ بها یعنی سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھو، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی)

ج) ان کی تیسری مشہور دلیل یہ حدیث ہے: من کان له إمام فقراءۃ الإمام له قراءۃ یعنی اگر کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت اُس کی قراءت ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں محدثین کا کلام ہے، وجوبِ قراءتِ فاتحہ والی صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے یہ قابلِ قبول نہیں۔ لیکن اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ وجوبِ قراءت والی حدیثیں اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ یعنی جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہی ہوگی۔

اب آیئے، ان احادیث صحیحہ پر ایک نظر ڈالی جائے جن کی بنیاد پر محدثین کرام کی کثیر تعداد نے فاتحہ کی قراءت کو امام اور مقتدی سب کے لئے واجب قرار دیا ہے:

ا) ابوہریرہؓ کی حدیث جو اُوپر گذر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس نے کوئی نماز پڑھی اور اُس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہوگی"۔ حضور نے یہ بات تین بار دہرائی۔ ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم لوگ تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں نے نماز (سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردیا ہے۔ (مسلم، نسائی، موطا، مسند احمد)

۲) ابوہریرہؓ ہی کی دوسری حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ نماز کفایت نہیں کرتی جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے" (صحیح ابن خزیمہ)

۳) عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا" (متفق علیہ)

۴) ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ اعلان کردینے کا حکم دیا:

لاصلاة إلاّ بقراءة فاتحة الكتاب فما زاد (ابوداود)

یعنی "نماز صحیح نہیں ہوتی جب تک سورۂ فاتحہ اور قرآن کا کچھ اور حصہ نہ پڑھا جائے"

یہی قول صحابہ کرام میں عمر بن خطاب، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، اُبی بن کعب، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبادہ بن صامت، ابوسعید خدری، عثمان بن ابی العاص، خوات بن جبیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کا ہے۔ اور ائمہ کرام میں شافعی، احمد، مالک، اوزاعی وغیرہم کی یہی رائے ہے۔ یہ سبھی حضرات نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو واجب قرار دیتے ہیں۔

أعوذ با لله من الشيطن الرّجيم

"میں اللہ تعالیٰ کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں"

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بندوں کو مردود شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:
﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (الاعراف: ۱۹۹، ۲۰۰) ...... اور فرمایا: ﴿وَقُلْ رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ﴾ (المومنون: ۹۷، ۹۸) اور فرمایا:
﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (فصلت: ۳۴، ۳۶)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو شیطان سے پناہ مانگنے کی نصیحت کی ہے، کیونکہ جنوں کا شیطان، انسان کا ایسا دشمن ہے جو کسی بھی بھلائی اور احسان کو نہیں مانتا، اور ہر وقت اُس کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف سازش میں لگا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ مسلمان کی زندگی میں اللہ کے ذریعہ شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگنے کی بڑی اہمیت ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر کہتے: سبحانك اللّهم ربّنا وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدُّك ولا إله غيرك پھر تین بار لاإله غيرك کہتے، پھر کہتے: أعوذ با لله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه (ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے:

اللّهم إنّي أعوذبك من الشيطان الرجيم من نفخه ونفثه (ابن ماجہ)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "دو آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آپس میں گالی گلوچ کیا۔ اُن میں سے ایک آدمی اتنا زیادہ غصہ ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ناک غصہ سے پھٹ جائے گی، آپ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جسے اگر وہ کہے تو اُس کا غصہ ختم ہو جائے۔ معاذ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون سا کلمہ ہے؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا، یوں کہے: اللّهم إنّي أعوذبك من الشيطان الرجيم (احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی) اسی حدیث کو حافظ ابو یعلی موصلی نے اُبی بن کعب سے روایت کیا ہے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم

عام حالات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات کا خاص طور پر حکم دیا ہے کہ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا چاہیں تو پہلے اللہ کے ذریعہ شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگ لیں۔ سورۃ النحل میں ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾

کہ "جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ مانگ لو"

اسی آیت کے پیش نظر جمہور علماء کا قول ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر حالات میں قراءتِ قرآن کی ابتدا سے پہلے أعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے۔ حالتِ نماز کے بارے میں راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ سے قبل أَعُوذُ بِاللّٰهِ سری یا جہری طور پر پڑھ لیا جائے۔ کیونکہ یہ آیت قراءتِ قرآن کی تمام حالتوں کو شامل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کس سورت کی آیت ہے؟

صحابہ کرام نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو مصحف تیار کیا اور جس کی تمام صحابہ کرام نے تائید وتوثیق کی، اُس مصحف میں سورۂ براءت کے علاوہ تمام سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ لکھی گئی۔ اُس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصحف میں کوئی بھی ایسی چیز نہ لکھی گئی جو قرآن کریم کا حصہ نہ تھی۔ نہ سورتوں کے نام لکھے گئے، نہ ہی آیتوں کی تعداد اور نہ کلمہ 'آمین۔ تاکہ کوئی شخص غیر قرآن کو قرآن نہ سمجھ لے، اِس تمام تر احتیاط کے باوجود 'بسم اللہ' صرف ایک سورت کے علاوہ تمام سورتوں کی ابتدا میں لکھی گئی، جن کی تعداد ایک سو تیرہ ہے۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ 'بسم اللہ' سورۂ نمل کی ایک آیت کا بعض حصہ ہونے کے علاوہ ایک مستقل آیت بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر ہر سورت کی ابتدا سے پہلے اُترا کرتی تھی۔ اور اسی کے ذریعہ آپ ﷺ جان پاتے تھے کہ ایک سورت ختم ہوگئی، اب دوسری سورت کی ابتدا ہونے والی ہے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ایک سورت کی انتہا اور دوسری سورت کی ابتدا اُس وقت تک نہیں جانتے تھے جب تک "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نئے سرے سے نازل نہیں ہوتی تھی"۔ اس حدیث کو ابوداودؒ اور حاکمؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ 'بسم اللہ' قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ اِس کے بعد علماءِ کرام کا اختلاف رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سورۂ براءت کے علاوہ یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے، تو گویا سورۂ فاتحہ کی بھی ایک آیت ہے۔ امام مالک، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ نہ تو سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ ہی کسی دوسری سورت کی۔ داودؒ ظاہری کا خیال ہے کہ ہر سورت کی ابتدا میں یہ ایک مستقل آیت ہے، لیکن کسی سورت کا حصہ نہیں ہے۔

بسم اللہ بآوازِ بلند پڑھی جائے یا آہستہ؟

اس اختلاف کی وجہ سے جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو بآوازِ بلند پڑھنے کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہوگیا ہے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت نہیں، یہ ایک مستقل آیت ہے، کسی سورت کی آیت نہیں، وہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی۔ اور جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ سورۂ براءت کے علاوہ ہر سورت کی آیت ہے۔ اُن میں امام شافعی اسے جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کے پہلے بآوازِ بلند پڑھنے کے قائل ہیں۔ ان لوگوں نے ابوہریرہ، ابن عباس، اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ فاتحہ سے پہلے 'بسم اللہ' بآوازِ بلند پڑھی (دیکھئے تفسیر ابن کثیر وفتح القدیر)

لیکن خلفاءِ اربعہ، احمد بن حنبل اور سفیان ثوری وغیرہم کی رائے ہے کہ نماز میں بسم اللہ بآواز بلند نہیں پڑھی جائے گی۔ ان لوگوں نے امام مسلم کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قراءت، الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ اسی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح صحیحین کی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکرؓ، عمرؓ، اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی، یہ حضرات ابتدا الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے۔

چونکہ دونوں ہی قسم کی حدیثیں صحیح ہیں۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بسم اللہ کبھی آہستہ پڑھی اور کبھی باآوازِ بلند، اور جس صحابی نے جیسا دیکھا، ویسا بیان کیا۔ بہتر یہی ہے کہ کبھی آہستہ پڑھی جائے اور کبھی باآوازِ بلند، تاکہ دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اور ائمہ کرام کا اس پر اتفاق بھی ہے کہ چاہے بسم اللہ باآواز بلند پڑھی جائے یا آہستہ، نماز کی صحت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

بسم اللہ کی فضیلت

قرآنِ کریم کی کئی آیتوں اور کئی صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنا باعثِ خیر و برکت اور اللہ کی نصرت وحمایت اور تائید و حفاظت کا سبب ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ بسم اللہ کہنے سے شیطان ذلیل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مکھی کی مانند حقیر بن جاتا ہے۔ اسی لئے کھانے پینے، جانور ذبح کرنے، بیوی سے مباشرت کرنے، وضو کرنے، اور بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے اور تمام دوسرے کاموں کے کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔

بسم اللہ کا معنی

یعنی "میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے"

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ آدمی جب کوئی کام شروع کرنا چاہے تو اس کی ابتدا کرتے وقت نیت کرے کہ میں اس کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرتا ہوں۔

'اللہ' رب العالمین کا مخصوص نام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات اسی مخصوص نام کے وصف کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ رب العالمین کے علاوہ دوسروں کے لئے اس نام کا استعمال جائز نہیں۔ 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' دونوں اللہ کی صفتیں ہیں اور رحمت سے ماخوذ ہیں، دونوں میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ 'الرحمٰن' میں 'الرحیم' سے زیادہ مبالغہ ہے۔ اسی لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ 'الرحمٰن' رحمت کے تمام اقسام کو عام ہے اور دنیا و آخرت میں تمام مخلوق کو شامل ہے جبکہ 'الرحیم' مؤمنین کے لئے خاص ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيماً﴾ (الاحزاب:۴۳)

بعض علماءِ تفسیر 'الرحمٰن' کو تو 'احسانِ عام' کے لئے مانتے ہیں۔ یعنی اللہ کی رحمت اس کی تمام مخلوقات کے لئے عام ہے، لیکن 'الرحیم' کو مؤمنین کے لئے خاص نہیں مانتے۔ انہوں نے ان دونوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفات کی ایک بڑی اچھی توجیہ بیان کی ہے جو عربی زبان کے مدلول کے بالکل موافق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ 'الرحمٰن' سے مراد وہ ذات ہے جس کی نعمتوں کا فیض عام ہے، لیکن یہ فعل عارضی بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عربی میں اِس وزن کے اوصاف فعل کے عارضی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور لفظ 'الرحیم' دائمی اور مستقل صفتِ رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اِس لئے جب عربی زبان کا سلیقہ رکھنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کی صفت (الرحمٰن) سنتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ ذات جس کی نعمتوں کا فیض عام ہے لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ رحمت اُس کی دائمی صفت ہے۔ اس کے بعد جب وہ الرحیم سنتا ہے تو اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ رَحمت اس کی دائمی اور ایسی صفت ہے جو اس سے کبھی جدا ہونے والی نہیں (محاسن التنزیل: ۶/۲)

یہاں ایک اور بات ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ الرحمٰن، نام اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ غیر اللہ کے لئے اس نام کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَـٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الاسراء: ۱۱۰) جبکہ الرحیم غیر اللہ کی صفت (اس کی حیثیت وکیفیت کے مطابق) بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ یعنی وہ مؤمنوں کے ساتھ شفقت ورحمت کا سلوک کرنے والے ہیں۔ (التوبہ: ۱۲۸)

اللہ کے اسماء وصفات پر ایمان لانا ضروری ہے؟

ائمہ سلف کے نزدیک یہ متفق علیہ قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر اور اُس کی صفات پر مرتب شدہ اَحکام پر ایمان لانا واجب ہے۔ قرآنِ کریم میں اور نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث میں اللہ کے جو اسماء وصفات ثابت ہیں، اُن پر اسی طرح ایمان لانا ضروری ہے جس طرح ثابت ہیں، نہ اُن کی کیفیت بیان کی جائے گی اور نہ ہی اُن کی تاویل کی جائے گی اور نہ اُنہیں معطل قرار دیا جائے گا۔ امام مالکؒ سے جب اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "استوا معلوم ہے، اُس کی کیفیت مجہول ہے، اُس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، اور اُس پر ایمان رکھنا واجب ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات پر جو اَحکام مرتب ہوتے ہیں اُن پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ مثلاً 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، تو یہ ایمان رکھنا ہوگا کہ اللہ بڑا ہی رحمت والا اور بہت ہی مہربان ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔ یہی قاعدہ تمام صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں جاری ہوگا۔ سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے اور اسی طریقہ کو اختیار کرنے میں ہر بھلائی ہے۔

...... سورۂ فاتحہ مکی ہے، اس میں سات آیتیں ہیں ......

ترجمہ سورۃ فاتحہ: "میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے[1] سب تعریفیں(۱) اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں کا پالنے(۲) والا ہے[۲] نہایت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہربان(۳) بے حد رحم کرنے والا ہے[۳] قیامت کے دن کا مالک(۴) ہے[۴] ہم تیری ہی عبادت(۵) کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں[۵] ہمیں سیدھی راہ(۶) پر چلا[۶] ان لوگوں کی راہ پر جن پر(۷) تو نے انعام کیے۔ ان کی راہ نہیں جن پر تیرا غضب(۸) نازل ہوا، اور نہ ان کی جو گمراہ(۹) ہوگئے"[۷]

(۱) لفظ 'حمد' کا ترجمہ تعریف کرنا ہے۔ حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ حمد صرف زبان سے ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ کسی نعمت کے مقابلہ میں ہو۔ جبکہ شکر زبان، دل اور دیگر اعضا کے ذریعہ کسی نعمت اور داد و دہش پر ہوتا ہے۔ اور اس پر اَلْ استغراق و شمولیت کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے داخل کیا گیا ہے۔ یعنی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف کی وہ تمام قسمیں جو آسمان و زمین کے درمیان ہوسکتی ہیں، وہ سب اللہ کے لئے ہیں۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود بیان کرکے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ اس کی تعریف بیان کریں۔

امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب طریق الھجرتین میں لکھا ہے کہ ہر اعلیٰ صفت، ہر اچھے نام، ہر عمدہ تعریف، ہر حمد و مدح، ہر تسبیح و تقدیس اور ہر جلال و عزت کی جو کامل ترین اور دائمی اور ابدی شکل ہوسکتی ہے، وہ سب اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کی جتنی بھی صفتیں بیان کی جاتی ہیں، جتنے ناموں سے اس کو یاد کیا جاتا ہے، اور جو کچھ بھی اللہ کی بڑائی میں کہا جاتا ہے، وہ سب اللہ کی تعریفیں ہیں اور اُس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہے۔ اللہ ہر عیب سے پاک ہے، ساری تعریفیں اس کے لئے ہیں، مخلوق کا کوئی فرد اس کی تعریفوں کو شمار نہیں کرسکتا۔

(۲) الرَّب کا معنی ہے، وہ آقا جس کی اطاعت کی جائے، وہ مالک جو تصرفِ کلی کا حق رکھتا ہے، وہ ذات برتر و بالا جو مخلوق کی اصلاحِ احوال کے لئے ہر تصرف کا حق رکھتی ہے۔ اَلْ کے اضافہ کے ساتھ الرَّب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مخلوق کے لئے اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مثلاً ربُّ الدار بمعنی گھر والا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کہا ہے: ﴿ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ﴾ اپنے آقا کے پاس لوٹ کر جاؤ (سورۂ یوسف: ۵۰)

العالمین عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عالَم کا اِطلاق اِنس و جن اور ملائکہ و شیاطین پر ہوتا ہے۔ بہائم 'عالم' میں داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے جہان والوں کا آقا و مالک اور اُن میں تصرف کرنے والا ہے۔ ربّ کا ایک معنی 'مربی' بھی کیا گیا ہے، بایں طور کہ وہ تربیت سے مشتق ہو، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا بطورِ عام اور بطورِ خاص مدبر و مربی ہے

بطورِ عام مربی اس طرح ہے کہ اس نے تمام خلائق کو پیدا کیا، ان کو روزی دی، اور ان امور کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف رہنمائی کی جو دنیاوی زندگی کے لئے نافع ہیں۔ اور بطورِ خاص اپنے اولیاء کا مربی ہے، یعنی ایمان کے ذریعہ اُن کی تربیت کرتا ہے، انہیں ایمان کی توفیق دیتا ہے اور صاحب کمال بناتا ہے۔ اور اُن رکاوٹوں کو دور کرتا ہے، جو اُس کے اور اُن اولیاء کے درمیان حائل ہو سکتے ہیں۔ یعنی اُنہیں ہر خیر کی توفیق دیتا ہے اور ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور غالباً یہی راز ہے کہ انبیاء کرام کی تمام دعائیں کلمہ الرّب سے شروع ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے تمام مطالب اللہ کی ربوبیتِ خاص کے ضمن میں آتے ہیں۔

اس تمام تر تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صفتِ خلق و تدبیرِ عالم اور صفتِ کمالِ بے نیازی و تمام نعمت میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اور آسمان و زمین کی تمام مخلوق ہر اعتبار سے اُس کی محتاج ہے۔

(۳) ان دونوں صفاتِ الٰہیہ پر کلام بسم اللہ کی تفسیر کے ضمن میں گذر چکا، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ دونوں صفتیں چونکہ اللہ کی رحمت پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے بندے کے لئے ان میں ایک طرح کی ترغیب ہے۔ جبکہ صفت 'ربوبیت' میں ترہیب و تخویف ہے۔ اس سورت میں اللہ نے ترہیب و ترغیب دونوں کو جمع کر دیا ہے، تاکہ بندہ اپنے معبود کی اطاعت و بندگی کی طرف زیادہ راغب ہو، اور اس کا اپنی زندگی میں زیادہ اہتمام کرے۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس طرح قیامت کے دن کا مالک ہے، اُسی طرح وہ دوسرے تمام دنوں کا مالک ہے۔ یہاں قیامت کے دن کا ذکر بالخصوص اس لئے آیا کہ اُس دن تمام مخلوقات کی بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ تمام شاہانِ دنیا اور ان کی رعایا، تمام آزاد و غلام اور چھوٹے بڑے سب برابر ہو جائیں گے اور صرف ایک اللہ کی ملوکیت و بادشاہت باقی رہے گی، سبھی اُس کے جلال و جبروت کے سامنے سرنگوں ہوں گے، اس کی جنت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ "قیامت کے دن اللہ پوچھے گا: آج کس کی بادشاہت ہے۔ پھر خود ہی جواب دے گا: صرف اللہ کی، جو ایک ہے اور قہار ہے" (غافر:۱۶)

قیامت کے دن کو یوم الدین اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اعمال کے جزا کا دن ہوگا، جس نے اِس دنیا میں جیسا کیا ہوگا، اُسے اُس کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ جس دن تم لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے، اُس دن تم سے کوئی چیز مخفی نہ رہے گی (الحاقۃ:۱۸)

'عبادت' کا لغوی معنی ہے: ذلت اور خشوع و خضوع۔ شریعتِ اسلامیہ میں عبادت ہر اُس عمل کو کہتے ہیں، جس میں اللہ کے لئے کمالِ محبت کے ساتھ انتہائی درجہ کا خشوع و خضوع اور خوف شامل ہو۔

'استعانت' کا مفہوم یہ ہے کہ حصولِ نفع اور دفعِ ضرر کے لئے اللہ تعالیٰ پر پورا پورا بھروسہ کیا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔

(۵) اس آیت کریمہ میں عبادت واستعانت دونوں کو اللہ کے لئے خاص کیا گیا ہے اور اللہ کے علاوہ تمام مخلوقات سے اُن کی نفی کی گئی ہے۔ عربی زبان میں اگر مفعول کو فعل پر مقدم کر دیا جائے تو حصر کا معنی دیتا ہے، یعنی اُس فعل کو اسی مفعول کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے، اور دوسروں سے اُس کی نفی ہو جاتی ہے، تو گویا آیت کا معنی یہ ہوا کہ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے، ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیرے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگتے"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر ایک کی غلامی سے آزاد کر کے ایک اللہ کا بندہ بنا دے، اُس کے ساتھ کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ کرے، نہ اُس جیسی کسی سے محبت کرے، اور نہ اُس جیسا کسی سے ڈرے، نہ اُس جیسی کسی سے اُمید رکھے، صرف اُسی پر توکل کرے، نذر و نیاز، خشوع و خضوع، تذلل و تعظیم اور سجدہ و تقرب سب کا مستحق صرف وہ ہے، جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے۔

لیکن انسان نے ہمیشہ ہی اس تعلیم کو پس پشت ڈالا، اور اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بنایا، غیروں سے مدد مانگی، شرک کے ارتکاب کے لئے بہانے تلاش کئے، اور اللہ کے بجائے انبیاء، اولیاء، صالحین اور قبروں میں مدفون لوگوں سے مدد مانگی۔

نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان قوی ہو جاتا ہے، جب ہم آپ ﷺ کے فرمان کو یاد کرتے ہیں کہ: "اے لوگو! اس شرک سے بچو، یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز ہے۔" (مسند احمد)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ

> "بندہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر نماز میں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہے، اس لئے کہ شیطان اُسے شرک کرنے کا حکم دیتا ہے اور نفس انسانی اس کی بات مان کر ہمیشہ غیر اللہ کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے، اس لئے بندہ ہر دم محتاج ہے کہ وہ اپنے عقیدۂ توحید کو شرک کی آلائشوں سے پاک کرتا رہے۔"

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ

> "ہم تیری توحید بیان کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، تیری بندگی کرنے کے لئے اور اپنے تمام اُمور میں"۔

'عبادت' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُسی وقت قابل قبول ہو گی، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، اور اُس سے مقصود اللہ کی رضا ہو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توحید کی تین قسمیں

اس سورت میں توحید کی تینوں قسموں کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے:

۱) توحیدِ ربوبیت: ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے ماخوذ ہے، توحیدِ ربوبیت یہ ہے کہ آسمان وزمین اور اس میں پائی جانے والی تمام مخلوقات کا خالق ورازق اور مالک ومدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۲) توحیدِ اُلوہیت: لفظ اللہ اور ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے ماخوذ ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں، ان سب کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۳) توحید اسماء وصفات: کلمۂ ﴿الْحَمْدُ﴾ سے ماخوذ ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اور رسول اللہ ﷺ نے صحیح احادیث میں اللہ کے جتنے اسماء وصفات ثابت کئے ہیں، اُن کو اسی طرح مانا جائے، نہ ان کا انکار کیا جائے، نہ اُن کی مثال بیان کی جائے، اور نہ ہی کسی غیر اللہ کے ناموں اور صفات کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عرش پر مستوی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "الإستواء معلوم، والكيف مجهول والسؤال عنه بدعة والإيمان به واجب" یعنی استوا معلوم ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے، یعنی یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیا کیفیت ہے، اور اس کے بارے میں پوچھنا بدعت ہے، یعنی اسلاف کرام کبھی اس کی کُرید میں نہ پڑے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے

(۶) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے، اور اس کے لئے کمالِ خشوع وخضوع اور اپنی انتہائی محتاجی ومسکنت کے اظہار کے بعد، بندے کے لئے اب یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ اپنا سوال اس کے حضور پیش کرے اور کہے کہ اے اللہ صراطِ مستقیم کی طرف میری رہنمائی کر!!

'ہدایت' کا معنی: رہنمائی اور توفیق ہے اور صراط مستقیم سے مراد وہ روشن راستہ ہے جس میں کجی نہ ہو، جو اللہ اور اس کی جنت تک پہنچانے والا ہو اور یہ قرآن وسنت کی راہ ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد راہِ حق ہے۔ ابو العالیہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور ان کے بعد ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی اقوال صحیح ہیں، اس لئے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی، اور ان کے بعد ان کے صاحبین کی اقتدا کی، اس نے حق کی اتباع کی، اور جس نے حق کی اتباع کی، اس نے اسلام کی اتباع کی، اور جس نے اسلام کی اتباع کی اس نے قرآن کی اتباع کی۔ اور یہی قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، اُس کی مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواس بن سمعانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ

"اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) کی ایک مثال بیان کی ہے، اس راہ کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں، ان میں کچھ دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ ان دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے ہیں، اور سیدھی راہ پر ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے: اے لوگو! سیدھی راہ پر گامزن ہو جاؤ اور اس سے انحراف نہ کرو۔ ایک اور پکارنے والا سیدھی راہ کے اُوپر سے پکار رہا ہے، جب کوئی آدمی ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے، دیکھو اسے نہ کھولو، اگر تم نے اسے کھول دیا، تو اس میں داخل ہو جاؤ گے۔ وہ سیدھی راہ 'اسلام' ہے۔ دونوں دیواریں اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ کھولے گئے دروازے اللہ کی حرام کردہ امور ہیں اور سیدھی راہ کے سرے پر موجود پکارنے والا اللہ کی کتاب ہے، اور "سیدھی راہ کے اُوپر سے پکارنے والا" اللہ کی طرف سے ہر مسلمان کے دل میں موجود خیر کی دعوت دینے والا جذبہ ہے" (مسند احمد، ترمذی، نسائی)

مفسرین نے لکھا ہے کہ بندۂ مؤمن ہدایت پر ہونے کے باوجود، اس کا محتاج ہے کہ وہ ہر نماز میں اللہ سے رُشد وہدایت کا سوال کرتا رہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور دوام واستمرار بخشے۔ اس لئے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ "اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھ، اور اس کے علاوہ کسی اور راہ کی طرف نہ پھیر دے!!"

امام راغب اصفہانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ 'ہدایت' کا معنی قول و عمل میں اچھائیوں اور بھلائیوں کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے اس کا ظہور کئی منازل میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے بعد بالترتیب حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی پہلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو وہ قوتیں عطا کرتا ہے جن کی بدولت وہ اپنے منافع ومصالح تک پہنچ پاتا ہے، جسے انسان کے حواسِ خمسہ اور اس کی فکری قوت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾ یعنی اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی رہنمائی کی (طٰہٰ: ۵۰)۔ اس کی دوسری منزل: انبیاء کی بعثت اور دعوت الی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾ اور ہم نے ان میں اماموں کو پیدا کیا جو ان کی رہنمائی کرتے ہیں (السجدہ: ۲۴)۔ تیسری منزل: وہ روشنی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو کثرتِ عبادت وعمل خیر کے سبب عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اپنی راہ کی طرف اُن کی رہنمائی کرتے ہیں (الانعام: ۱۹۰)۔ چوتھی منزل: دخولِ جنت کو ممکن بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ یعنی ہم نے ان کے دلوں سے کینہ کو نکال دیا، جنت میں اُن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور وہ کہیں گے کہ ساری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس جنت کی طرف ہماری رہنمائی کی (الاعراف:۴۳)

قرآنِ کریم کی آیات کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت بمعنی دعوت و رہنمائی' سب کے لئے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ اور آپ ﷺ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں (الشوریٰ:۵۲)۔ لیکن "ہدایت" بمعنی توفیق اور جنت میں داخل کرنا، سب کو نصیب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ یعنی آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص:۵۶)

'ہدایت' کے مذکورہ بالا معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مفسرین نے ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کی تفسیر کئی طرح سے کی ہے۔ کسی نے کہا کہ: 'ہدایت' سے مراد عام ہدایت ہے، اور ہمیں دُعا کا حکم اس لئے دیا گیا ہے، تاکہ ہمارے ثواب میں اضافہ ہو۔ کسی نے اس کی تفسیر کی: ہمیں راہِ شریعت پر چلنے کی توفیق دے۔ تیسرا قول یہ ہے: گمراہ کرنے والوں، شہوتوں اور شبہات سے بچا۔ چوتھا قول ہے: ہمیں مزید ہدایت دے۔ پانچواں قول ہے: ہمیں علم حقیقی (نور) عطا فرما۔ چھٹا قول ہے: ہمیں جنت دے۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ یہاں ہدایت کی یہ تمام قسمیں مراد لی جاسکتی ہیں، کیونکہ ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ وباللہ التوفیق!

(۷) اس میں 'صراطِ مستقیم' کی تفسیر بیان کی گئی ہے، کہ 'صراطِ مستقیم' سے مراد اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا، یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا﴾ یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے، وہ اُن کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہوں گے۔ (النساء:۶۹) یہ لوگ اہل ہدایت واستقامت ہوتے ہیں، اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اوامر کو بجالاتے ہیں اور منکرات و منہیات سے باز رہتے ہیں۔

(۸) اِس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جن کی نیتیں فاسد ہوگئیں، جنہوں نے حق کو پہچان کر اس سے اِعراض کیا، ایسے لوگوں میں پیش پیش ہمیشہ یہود رہے۔ جنہوں نے تورات میں موجود دلائل کی روشنی میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا یقین کر لیا، لیکن عداوت و عناد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔

(۹) اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا علم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل نہیں کیا، اور گمراہی میں بھٹکتے رہے۔ ایسے لوگوں میں پیش پیش نصاریٰ رہے۔ عدی بن حاتمؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں انہوں نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے، اس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِم﴾ سے مراد یہود اور ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اَلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِم سے مراد یہود اور الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ میں لا تاکید کے لئے ہے، سامع کے دل میں یہ بات بٹھانے کے لئے کہ یہاں پر دو الگ الگ پُر فساد راستوں کا ذکر ہے۔ ایک یہود کا راستہ اور دوسرا نصاریٰ کا۔ تاکہ اہل ایمان دونوں راستوں سے بچیں۔ یہود نے حق پہچاننے کے بعد اس کی اتباع نہیں کی، اس لئے اللہ کے غضب کے مستحق بنے۔ اور نصاریٰ نے حق کو پہچانا ہی نہیں، کیونکہ انہوں نے اُس راہ کو اختیار ہی نہیں کیا، جس پر چل کر آدمی حق پاتا ہے، اس لئے وہ گمراہ ہوگئے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ سبھی گمراہ ہیں اور اُن سب پر اللہ کا غضب ہے۔ لیکن یہود اللہ کے غضب کے ساتھ، اور نصاریٰ ضلالت وگمراہی کے ساتھ مشہور ہوگئے۔

آمین!

نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا مستحب ہے، جہری نمازوں میں بآوازِ بلند اور سرّی نمازوں میں آہستگی کے ساتھ۔ آمین کا معنی ہے: اے اللہ قبول فرما۔ وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھا اور اپنی آواز کھینچ کر آمین کہا۔ ابوداود کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث 'حسن' ہے۔ اور اسی قسم کی روایات علی، ابوہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم سے بھی مروی ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھتے تو 'آمین' کہتے، یہاں تک کہ صفِ اوّل میں اُن کے آس پاس کے لوگ سنتے۔ (ابوداود)

ابوہریرہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"جب امام 'آمین' کہے تو تم بھی کہو، اس لئے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے گی، اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے" (بخاری ومسلم)

قارئین کیلئے: جن قارئین کو زرِ سالانہ ختم ہونے کی اطلاع مل چکی ہے، ازراہ ِاولین فرصت میں اس کی تجدید فرمالیں!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ